© rasailojaraid.com

فلسفہ کیا ہے؟

(۴)

از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی۔ پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

(۲) فلسفیانہ غور و فکر کے لئے علم کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ضروری ہوتا ہے

یہ بالکل صحیح ہے (جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں) کہ ہر شخص کا کچھ نہ کچھ فلسفہ ضرور ہوتا ہے خواہی نخواہی وہ فلسفیانہ غور و فکر کرتا ہے۔ ہر شخص نے اپنی زندگی میں فلسفیانہ استعجاب کے ساتھ ضرور پوچھا ہو گا کہ ؎

معلوم نشد کہ در طرب خانۂ خاک نقاشِ من از بہر چہ آراست مرا ؟

اور شاید اس کے جواب دینے کی بھی کوشش کی ہو۔ اس کوشش میں جس مواد کو شعوری یا غیر شعوری طور پر اس نے استعمال کیا ہو گا وہ وہی جو اس کے سماجی و مادی ماحول سے حاصل ہوا ہے۔ کائنات اور حیات کی ماہیت وغایت کے متعلق کسی نقطۂ نظر کے اختیار کرنے کے لئے انسان کو ابتدا تو وہیں سے کرنی پڑتی ہے جہاں وہ ہے اور اسی مواد کو کام میں لانا پڑتا ہے جو وہ رکھتا ہے۔ تاہم ایک لمحہ غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام افرادِ انسانی میں سے فلسفی ہی وہ فردِ بشر ہے جس کو سب سے زیادہ واقعات و معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالفاظِ مختصر وہی اس علم کا زیادہ حاجت مند ہوتا ہے جس کی علوم مخصوصہ میں تنظیم کی گئی ہے تاکہ وہ اس کی مدد سے اس راز کو کھولے جس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ع کھلتا نہیں کھل کر بھی عجب راز ہے یہ!

اگر بفرضِ محال وہ تمام علومِ مخصوصہ کے طریقوں اور ان کے مسلمات و مفروضات و نتائج سے آگاہ ہو سکے اور نیز مذہب، اخلاق اور فنونِ لطیفہ کا بھی نکتہ رس طالب علم ہو سکے تو اس کو ضرور ہونا چاہیئے۔ کیوں؟ اسی لئے کہ فلسفی ان حقائق سے بحث کرتا ہے جو اساسی ہیں اور اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اقدار و معانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بصیرت رکھتا ہو اور اسی لئے اس کا علم نہایت مفصل اور جامع ہونا چاہئے۔ اسی لئے فلسفہ مشکل ہے آسان نہیں۔

کائنات کی گتھی سلجھانے کی کوشش جواں مردوں کا کام ہے بچوں کا نہیں، پیر نابالغ کا نہیں کیونکہ ؎

اس دشت میں سینکڑوں کے جی چھوٹ گئے پتھر بھی حباب کی طرح پھوٹ گئے

فلسفہ کے لئے نہ صرف علم کا عظیم الشان ذخیرہ ضروری ہے بلکہ ہر قسم کے تعصب، جانب داری، پیچ سے بھی ذہن کا آزاد کرنا لازمی ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔ اسپنوزا نے اپنے تفلسف کا نصب العین یہ قرار دے رکھا تھا کہ کائنات کا "ابدیت کی روشنی" میں مطالعہ کیا جائے۔ اس کے لئے فلسفی کو نہ صرف اپنی تنگیٔ نگاہ کو دور کرنا پڑتا ہے بلکہ کشمکشِ ہوا و ہوس سے بھی نجات حاصل کرنی پڑتی ہے کیونکہ بندۂ ہوس اسیرِ قفس ہوتا ہے اور صداقت سے محروم۔ فلسفی صداقت کا جویا ہوتا ہے اور صداقت ہی کی خاطر صداقت کی تلاش کرتا ہے نہ کہ کسی ذاتی غرض یا دلچسپی کی خاطر۔ اس کا نقطۂ نظر بالکل معروضی و خارجی ہونا چاہئے۔ یہی چیز فلسفہ کو ایک نہایت مشکل علم قرار دیتی ہے۔

(۳) فلسفہ کے مطالعہ کے لئے بڑی جسارت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے

اگر عالمِ حیاتیات حیات کی بیشمار لطیف فعلیتوں کی سراغ رسانی میں اپنے عجز کا احساس کرتا ہے اور اگر عالمِ ہیئت اپنی دوربینوں سے لامتناہی فضا میں اَن گنت ستاروں کو دیکھ کر، جو کروڑہا سال کے فاصلہ پر محوِ خرام ہیں، اپنی بے بساطی پر خجل ہوتا ہے اور اگر علمائے طبیعات و کیمیا و نفسیات و اجتماعیات مظاہر کے ربط و ضبط کے قوانین کی دریافت میں حیران و سرگرداں نظر آتے ہیں تو پھر فلسفی جس کا عظیم الشان کام ان علوم مخصوصہ کے مفروضات و نتائج کو یکجا کرنا اور کائنات من حیث کل کے متعلق ایک خاص نتیجہ تک پہنچنا ہے کیوں نہ لاف و گزاف کو ترک کر کے سرِ عجز خم کرے! فلسفی کے موضوع بحث کی اسی وسعت کو دیکھ کر بارہا مختلف پیرایوں میں یہ خیال ادا کیا گیا ہے ؎

کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد وز سرِ خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد
ہر کس ز سرِ قیاس چیزے گفتند معلوم نہ گشت و قصہ کوتاہ نہ شد (خیام)

اگر فلسفہ ایک لازمی و ناگزیر شے نہ ہوتا تو غریب فلسفی کی حیثیت مضحکہ انگیز ہوتی۔ لیکن ہم بتا چکے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقول ارسطوؔ "ہم فلسفیانہ غور وفکر کرنا چاہیں یا نہ کرنا چاہیں لیکن کرنا تو ضرور پڑتا ہے"۔ انسان کو خواہی نخواہی فلسفہ کی ضرورت پڑتی ہے، عملی زندگی کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم ماہیتِ اشیاء وغایت وہدایتِ انسانی کے متعلق مفروضات کو تشکیل دیں اور ان کو تسلیم کریں۔ اس معنی میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ فلسفہ ہوتا ہے، لیکن اگر وہ چاہے تو اپنے اس اہم فریضہ کو ہاتھ میں لینے سے پہلے جس قدر ذخیرۂ علم ممکن ہو سکے، فراہم کر سکتا ہے۔ چونکہ تہذیب وتمدن کی مشعل بغیر فلسفہ کے روشن نہیں رہ سکتی اسی لئے فلسفہ کا وجود ضروری ہے گو ہم اپنی "عقل ناصواب" کی شکایت سے دفتر سیاہ کیوں نہ کرتے رہیں۔

(۴) فلسفہ اور فلسفیوں کی جو تحقیر کی جاتی ہے وہ ہمیں فلسفہ کے مطالعہ کی طرف سے پست ہمت کرتی ہے

فلسفہ اور فلسفے کے حامی اکثر اعتراضات کا نشانہ بنتے رہے ہیں، یہ اعتراضات نہ صرف ان دونوں کا مضحکہ اڑاتے رہے ہیں بلکہ ان کی سخت تحقیر بھی کرتے آئے ہیں۔ استہزاء وحقارت اس حد تک ضرور حق بجانب ہیں جس حد تک کہ فلسفہ محض ان اثیری تخیلات کی تعبیر ہے جو منت کشِ معنی نہیں، اور یقیناً فلسفہ بعض دفعہ محض بال کی کھال ہی کھینچا کیا ہے اور بے معنی مسائل میں اپنا وقت رائیگاں کیا ہے۔ لیکن کونسا علم ایسا ہے جس میں اس قسم کی 'فضولی' نہ ہوئی ہو؟ فلسفہ کی مخالفت کی زیادہ تر وجہ یہ رہی ہے کہ اکثر فلسفیانہ مسائل جو عالمِ حواس کے مادی سوالات سے ماوراء ہوتے ہیں اور جن سے کسی قدر اصطلاحی زبان میں بحث کی جاتی ہے عوام کے لئے عسیر الفہم ثابت ہوئے ہیں۔ عوام جس چیز کو سمجھ نہیں سکتے اس کو بے معنی قرار دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب فلسفہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ محض تخیلات کا جولانگاہ ہے، یا یہ عمومی وکلی اشیاء کے متعلق ہذیان وخرافات کے سوا کچھ نہیں، یا بقول میور ہیڈؔ "ایسی چیز کا جو ہر شخص جانتا ہے ایسی زبان میں بیان کرنا ہے جس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا"، یا برخلاف علوم مخصوصہ کے جو ہمیں معلومات کا ذخیرہ عطا کرتے ہیں۔ فلسفہ صرف ماضی پر نگاہ ڈالتا ہے اور انسان کو ترقی کی راہ نہیں سمجھاتا یا یہ کہ فلسفہ "کیمیائے اوہام" کے سوا کچھ نہیں — جب ہم فلسفے کے متعلق اس قسم کی مزخرفات سنتے ہیں تو ہمیں فوراً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے قائل نہ تاریخ فلسفہ ہی سے واقف ہیں اور نہ فلسفہ کی موجودہ حیثیت سے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غریب فلسفی پر جو پھبتیاں کسی گئی ہیں وہ اور زیادہ دلچسپ ہیں۔ ارسٹوفنیس (پانچویں صدی قبل مسیح) فلسفہ کا مضحکہ اڑاتے ہوئے سقراط کے متعلق کہتا ہے کہ وہ اپنا دامن بادلوں میں گھسیٹتا چلتا ہے اور اس کی زبان سے وہ بکواس جاری ہوتی ہے جس کو 'فلسفہ' سمجھا جاتا ہے! لوای زاآ لکاٹ کے ذہن میں بھی اسی قسم کا فلسفہ تھا جب اس نے فلسفی کی تعریف اس طرح کی کہ فلسفی وہ شخص ہے جو ایک غبارے میں بیٹھا اوپر پرواز کر رہا ہے' اور اس کا خاندان اور احباب رسی پکڑے ہوئے ہیں اور اس کو نیچے کی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں! — گوئٹے، فاؤسٹ میں مفسٹوفلیس کی زبانی کہلواتا ہے: "مفکر کی مثال اس جانور کی سی ہے جس کو شیطان ایک برف زدہ مقام پر گھما رہا ہے گو اس کے اطراف میں سرسبز و شاداب چراگاہ موجود ہے"! ملٹن فلسفہ کو دوزخیوں کا ایک مشغلہ قرار دیتا ہے۔ وہ دوزخ میں شیاطین کی مختلف مصروفیتوں کا ذکر کر رہا ہے جو اپنے عذاب کے کم کرنے کے لئے فلسفیانہ غور و فکر میں حیراں و سرگرداں ہیں۔

"شیاطین ایک تنہا پہاڑی پر اپنے اعلیٰ خیالات میں منہمک ہیں، اور خدا، علم غیب، ارادے، قسمت یا تقدیر پر بحث کر رہے ہیں۔ مقدر، آزادیٔ ارادہ، علم غیب مطلق پر غور و فکر ہو رہا ہے لیکن ان کی بحث کا کوئی انجام نہیں، وہ ورطۂ حیرت میں گم ہیں۔ خیر و شر، سعادت و الم، جذبہ و عدم رغبت خوش بختی و بدبختی پر بحث جاری ہے، لیکن یہ ساری بیہودہ خیال بازی ورائے زنی ہے باطل فلسفہ ہے۔"

جامی فلسفہ کو "سخن طرازی"، "افسوں گری"، "فسانہ سازی" اور "خیال بازی" قرار دیتے ہوئے فلسفی کو 'سادہ دل' یا بیوقوف کہتے ہیں۔

جامی تن زن سخن طرازی تا چند
افسوں گری و فسانہ سازی تا چند

اظہارِ حقائق بہ سخن ہست محال
اے سادہ دل ایں خیال بازی تا چند

جن فلاسفہ کا یہ خیال ہے کہ انھیں صداقت کا پتہ لگ گیا ہے ان کی مثال ان اندھوں سے دی جاتی ہے جو خواب میں اپنے کو بینا دیکھتے ہیں۔ ع۔ کوراں خود را بہ خواب بینا بینند!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بیہودگی اور حماقت کا ذکر کرتے ہوئے جس میں تمام حیوانات میں سے صرف انسان ہی مبتلا ہے ٹامس ہابس کہتا ہے" تمام انسانوں میں سے بھی وہی افراد اس میں سب سے زیادہ مبتلا ہیں جن کا مشغلہ فلسفہ ہے کیونکہ سسرو نے ان کے متعلق کسی جگہ جو کہا ہے وہ بالکل صحیح ہے کوئی بیہودہ ولایعنی شے ایسی نہیں جو فلسفیوں کی کتابوں میں نہ ملتی ہو" [۵۱] اور ڈیکارٹ، فلسفہ جدید کا آدم، کہتا ہے کہ" کالج کی زندگی ہی میں مجھے اس شے کا علم تھا کہ کوئی عجیب سی عجیب اور انوکھی سی انوکھی بات ایسی نہیں تصور کی جاسکتی جس کا کوئی نہ کوئی فلسفی قائل نہ ملتا ہو" [۵۲]

مخصوص ماہر فن کی تعریف بعض دفعہ ظرافت آمیز طریقہ پر اس طرح کی گئی ہے کہ یہ وہ حضرت ہیں جو کم سے کم شے کا زیادہ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اسی تعریف کو الٹ کر فلسفی کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ وہ ذی علم بزرگ ہیں جو زیادہ سے زیادہ شے کا کم سے کم علم رکھتے ہیں! فلسفی کی مثال اس اندھے سے بھی دی گئی ہے جو ایک تاریک کمرہ میں ایک کالی بلی کی تلاش کر رہا ہے جو وہاں موجود نہیں اور حضرت اکبر الہ آبادی نے تو زیادہ متانت کے ساتھ کہدیا ہے کہ

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

امریکہ کی ایک مشہور یونیورسٹی کے ایک ممتاز پریسیڈنٹ اپنے طلبہ کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ وہ تین چیزوں سے پرہیز کریں، شراب نوشی، تمباکو اور فلسفہ!

خود فلسفیوں نے فلسفہ پر شدت کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے۔ ہم نے اوپر ایجابیہ وارتیابیہ کے اعتراضات بیان کئے ہیں۔ یہاں پر چند اور نکتہ چینیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نیٹشے کہتا ہے کہ" رفتہ رفتہ مجھ پر یہ بات روشن ہوئی ہے کہ ہر عظیم الشان فلسفہ اب تک صرف دو چیزوں پر مشتمل ہوتا آیا ہے: بانی کا اعتراف و اقرار اور ایک

---

[۵۱] ہابس کی کتاب Leviather. . . [۵۲] دیکھو ڈیکارٹ کی کتاب Diocourseon Methods.

یہ دونوں حوالے رانیڈ کی ماڈرن کلاسکل فلاسفرز میں ص۲۶ و ص۱۱۱ پر ملیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قسم کی اپنی غیر ارادی وغیر شعوری سوانح حیات" پروفیسر جان ڈیوے اور پروفیسر جے. ایچ. رابنسن کا خیال ہے کہ فلاطون سے لیکر اسپنسر تک کا فلسفہ سوائے پہلے ہی سے موجودہ اخلاقی و مذہبی و سیاسی تیقنات کو عقلی صورت بخشنے کی کوشش کے اور کچھ نہیں ہے۔ بہت سارے مفکرین اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عہد سلف کے اکثر فلسفے کا محرک مذہبی ایمان و ایقان رہا ہے۔ عضویت کی اشتہا آت وخواہشات، معاشری و تعلیمی اثرات ہی کے پیدا کردہ تیقنات کسی فلسفہ کی تعیین و تشکیل میں اہم اجزائے عاملہ کا کام دیتے رہے ہیں براڈلے نے ان ہی خیالات کی بنا پر فلسفہ کو ہمارے جبلی تیقنات کے متعلق خراب حجتوں کا دریافت کرنا قرار دیا تھا لیکن وہ اس امر کا بھی اضافہ کرتا تھا کہ ان حجتوں کا دریافت کرنا بھی خود ایک جبلی عمل ہے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ فلسفہ کی جڑیں فطرت انسانی میں جمی ہوئی ہوتی ہیں اور انسان کی زندگی پر جو معاشری اثرات ہوتے ہیں وہی فلسفہ کی تشکیل و تعیین کرتے ہیں۔ اسی لئے فشٹے نے کہا تھا کہ "جیسا آدمی ویسا فلسفہ"! لیکن یہ بھی حد امکان سے کوئی خارج شے نہیں کہ سچا فلسفی صداقت کی تلاش ہی کو اپنی غائت قرار دے لے، وہ صداقت جو "برہنہ صداقت کہلاتی ہو، جو نہ کوئی دوست رکھتی ہو اور نہ کسی انعام کی خواہش اور نہ زجر و توبیخ کا غم"! اس قسم کی احتیاط سے، یعنی صداقت ہی کی تلاش کو اپنی غایت قصوی قرار دے لینے سے فلسفی اپنے تیقنات کی جانبداری اور اپنے تنفرات کی دشمنی سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتا ہے اور اپنے فلسفے کو ان سے متاثر ہونے سے بچا سکتا ہے۔ یہ اس وجہ سے بھی ممکن ہے کہ انسان انسان ہونے کی حیثیت سے تجسس و استعجاب کی نہ بجھنے والی آگ اپنی فطرت میں روشن پاتا ہے اور جب تک یہ دنیا انسان کے ذہن کو پُرہیبت و پُر اسرار نظر آتی رہیگی اس وقت تک فلسفہ آب و تاب کے ساتھ سخن راں و سخن آرا رہیگا۔ انسان فطرةً عاقل ہونے کی وجہ سے اس وقت تک آرام و چین کی نیند نہیں سو سکتا جب تک کہ اس کی نگاہوں کے سامنے سے پردہ نہ اٹھ جائے۔

رابرٹ لوای اسٹیونسن نے اسی خیال کو ظریفانہ انداز میں اس طرح ادا کیا ہے "بعض لوگ کائنات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح نگل جاتے ہیں جس طرح کسی دوائی کی گولی کو۔ . . . زندگی کے تنازعات وتخالفات سے بالکلیہ بے حس وبے خبر ہونے اور ہر چیز کو ایک ایسی سادہ لوحی کے ساتھ قبول کر لینے سے جس پر بے کسی وبے بسی برستی ہو، یہ بہتر ہے کہ ان کے متعلق ہماری زبان سے نظریہ کی شکل میں ایک چیخ نکل جائے۔" اور یہی چیخ ہمارا فلسفہ ہوتا ہے!

(۵) تناقضِ فلسفیانہ نظریات ذہنی اضطراب پیدا کرتے ہیں۔

فلسفے کے مبتدی کو فلسفہ کی سب سے زیادہ اہم مشکل یہ معلوم ہوتی ہے کہ اکابر فلاسفہ کا اساسی مسائل کے متعلق اتفاق نہیں۔ ان کے طریقے اور ان کے نتائج ایک دوسرے سے اس قدر مختلف نظر آتے ہیں کہ طالب علم کو شبہ ہوتا ہے کہ آخر ان کے تضاد وتخالف کے بعد کوئی قابلِ قبول شئے باقی بھی رہ جاتی ہے یا پردۂ غیب سے یہ آواز سننی پڑتی ہے کہ ع

اے بے خبراں راہ نہ آنست ونہ ایں!؟

اس امر کا خیال رکھتے ہوئے کہ فلاسفہ کے باہمی اختلاف کی کچھ توجہ اپنے اپنے زمانہ کے مختلف اصطلاحات وحدود کا استعمال ہے طالب علم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا بقول جوشیا رائس "تجربہ کا ایک لامتناہی خزانہ ہے۔" اور جو لوگ اپنی فطرت وساخت، تعلیم وتربیت میں مختلف ہیں ان کا اسی ایک دنیا پر ردِ عمل بھی مختلف ہوگا۔ بالفاظِ دیگر فلسفی کی انفرادیت کے اختلاف کی وجہ سے نظریاتِ کائنات میں اختلاف کا پیدا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ نظریات (جن کا مجموعہ فلسفہ ہے) پیداوار ہیں دنیا اور ان مختلف ذہنوں کے باہمی عمل کا جو اس متنوع ونامحدود دنیا کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب ہم کسی فلسفی کی آرا کا مطالعہ کریں تو ہمیں ان طبعی، حیاتیاتی ومعاشری اجزا کا بھی ضرور خیال رکھنا چاہیے جو اس کے تیقنات واذعانات کی تشکیل وتعیین میں ضروری حصہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ طریقۂ کار چند اکابر فلاسفہ کے ساتھ استعمال کیا جائے تو تخالفِ آرا کی وجہ سے فلسفہ سے گریز کرنے کا میلان اگر غائب نہ ہو جائے تو کم ضرور ہو جائیگا۔ علاوہ ازیں یہ بات ہرگز فراموش نہ کرنی چاہئے کہ جہاں کہیں انسان نے تجربہ کے واقعات پر غور وفکر کرکے ان کے تعمیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کوشش کی ہے، خواہ وہ سائنس میں ہو یا روزمرہ کی زندگی میں، وہاں رائے اور یقین کا اختلاف ضرور پیدا ہوا ہے۔ قائدین فکر کے تیقنات کا یہ اختلاف وتباین جو زندگی کے اہم مسائل کے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ دراصل ایک نعمت ہے، کیونکہ اسی تنقید واختلاف سے فلسفیانہ روح بیدار ہوتی ہے اور زندگی اور کائنات کے متعلق عمیق تر حقایق وبصائر حاصل کرتی ہے!

ہیوم کی تباہ کن تنقید نے کانٹ کو خوابِ ادعائیت سے بیدار کیا جس کی وجہ سے فلسفہ کا ایک عظیم الشان نظام پیدا ہوسکا۔ کوئی سنجیدہ آدمی محض اس وجہ سے کہ اکابر فلاسفہ کے ارا میں اختلاف پایا جاتا ہے فلسفہ سے بیزار اور روگرداں نہیں ہوسکتا، ورنہ اس کی مثال اس بیمار کی سی ہوگی (جس کا ذکر ہیگل کرتا ہے) جس کو ڈاکٹر نے میوہ کھانے کی ہدایت کی تھی اس نے سیب، ناسپاتی، انگور کھانے سے انکار کردیا کیونکہ اس کو تو "میوہ" کھانے کے لئے کہا گیا تھا اور سیب ناسپاتی وغیرہ تو محض سیب ناسپاتی ہی ہیں (یعنی جزی) اور میوہ نہیں (یعنی کلی)۔

(۶) شک کا خطرہ فلسفی کو لگا رہتا ہے

فلسفہ صداقت کی پیہم مسلسل، غیر جانبدارانہ تلاش ہے، ممکن ہے کہ اس تلاش میں وہ تصورات وتیقنات جو محض روایتوں اور دیگر ناکافی شہادتوں پر مبنی ہوں ٹھکرا دیئے جائیں کیونکہ صداقت کی مثال ایک متکبر شہزادی کی سی ہے جو اپنے ہوا خواہوں سے کامل انقیاد و فرمانبرداری چاہتی ہے "شوپنہور اس اچھے مرفہ الحال یونیورسٹی کے فلسفی کا مضحکہ اڑاتا ہے" جس کے ہزاروں مقاصد اور لاکھوں محرکات ہوتے ہیں جو نہایت احتیاط سے قدم اٹھاتا ہے جس کی نظروں کے آگے ہمیشہ خدا کا خوف، وزارت کی مرضی کلیسا کے قوانین، ناشرینِ کتب کی خواہشات، طلبہ کی حاضری، رفقا کی حسن ارادت، سیاستِ حاضرہ کا رجحان اور خدا جانے کن کن چیزوں کا خیال ہوتا ہے۔" اس کے برخلاف صحیح فلسفہ کی تعریف میں وہ کہتا ہے کہ یہ اس برہنہ صداقت کا جویا ہے جو نہ کوئی مونس وغم خوار رکھتی ہے جس کو نہ کسی انعام کی خواہش ہے اور نہ زجر و توبیخ کا اندیشہ" ظاہر ہے کہ ایسا فلسفہ ان عقاید وادعانات کو تباہ وبرباد کردیگا جن کی بنیاد توہمات وغیر صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایات پر قائم ہے۔ اگر ہمارے اخلاقی اور مذہبی عقاید تنگ اور کوتاہ ہوں تو فلسفہ کا مطالعہ ان میں ضرور اختلال و اضطراب پیدا کرے گا۔ اگر آپ فلسفہ سے یہ توقع رکھیں کہ وہ آپ کے ان جبلی و مذہبی عقائد و تیقنات کو حق بجانب ثابت کر دکھائے اور صداقت کی پیروی نہ کرے تو پھر آپ بقول برٹرنڈرسل کے اپنے محاسبے بھی اس امر کی امید کر سکتے ہیں کہ بجٹ میں باوجود خسارہ ہونے کے آپ کو اضافہ ہی کی خوشخبری دیتا رہے! کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم اپنے کمزور اور متزلزل تیقنات و عقاید کو جن کی بنا غلط روایت اور جاہلانہ رولج پر قائم ہے۔ محکِ تنقید پر جانچیں (گو یہ عمل ہمارے لئے نہایت ہی دردناک اور تکلیف دہ کیوں نہ ثابت ہو) اور دیکھیں کہ یہ غلط اور نقصان رساں تو نہیں؟ جن تیقنات کے متعلق ہمیں یہ خوف ہو کہ سائنس کے بڑھتے ہوئے معلومات ان کو تباہ کر دیں گے ان سے ہمیں کس قسم کی تسلّی یا تشفی نصیب ہو سکتی ہے؟ اور ممکن ہے کہ تحقیق و تدقیق کے بعد ان کے متعلق یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ انسان کی بالکل ابتدائی تہذیب کے باقیات ہیں اور محض توہمات! علاوہ ازیں ممکن ہے کہ یہ محض غلط ہوں اور عمل میں نقصان رساں! سینٹ پال کے اس قول میں ہم صحیح فلسفیانہ بصیرت پاتے ہیں:" تمام چیزوں کو جانچو، صرف اسی چیز کو مضبوط پکڑو جو اچھی ہو۔"

یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ "عہدِ ایمان" ضروری طور پر اخلاق حسنہ کا عہد رہا ہے اور "عہدِ ارتیاب" فسق و فجور اور ردأت اخلاق کا زمانہ ہوا کرتا ہے۔ لیکن اہم سوال یہ ہے کہ ایمان کس قسم کا ہے اور ارتیاب کس قسم کا؟ محض تحکمانہ ایمان اور مذہبی جذبہ سے اخلاقی اذعانات اور اخلاقی جوشِ عمل کو جانچا نہیں جا سکتا۔ زہدِ عیاں، و فسقِ نہاں کی بیشمار مثالیں بھلائی نہیں جا سکتیں، محض رو بخاک ہونے اور جامہ پاک پہننے اور بناہِ ریش لینے سے انسان پاک باز و نیک کردار نہیں بن سکتا۔ خیام نے اس حقیقت کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

شیخے بہ زنے فاحشہ گفتا مستی　　ہر لحظہ بہ دامِ دگرے پابستی
گفتا، شیخا! ہر آنچہ گوئی ہستم!　　اما تو چنانکہ می نمائے ہستی

مذہب پر یقین رکھکر، تسبیح ہزار دانہ ہاتھ میں لے کر اور جامۂ صوف پہن کر بھی آدمی معاملاتِ زندگی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیطان کو شرما سکتا ہے! اس کے برخلاف محض ریب و شک ہی کی بنا پر انسان دائرہ اخلاق سے خارج نہیں ہو جاتا۔ بچوں کا میلان یقین کی طرف ہوا کرتا ہے لیکن صرف سنجیدہ اور ذی علم شخص ہی شک کر سکتا ہے مفکّر کے لئے شک علمی ترقی کا ایک ضروری زینہ ہے۔ جس نے شک کرنا نہیں سکھا اس نے غور و فکر کرنا ہی نہیں سیکھا لیکن ظاہر ہے کہ ہر شک فکر نہیں۔ ایک کاہل شخص کسی مسئلہ کو حل کرنے کی جانکاہ کوشش سے بچنے کے لئے شک کے دامن میں پناہ لے سکتا ہے یا یہ ایک ایسے ذہن کا غیر شعوری استدلال ہو سکتا ہے جس پر تعصب کی عینک چڑھی ہوئی ہے۔ فلسفیانہ طور پر وہی شک جائز رکھا جا سکتا ہے جو بے غرض ہو اور باقاعدہ و منظم ہو، اس نقطۂ نظر سے شک کوئی غایت نہیں بلکہ ایک ذریعہ ہے، فکری ترقی و تقدم کا ایک لازمی و لابدی درمیانی زینہ جو صداقت کے ادنیٰ کم تر و تنگ تر مقام سے اعلیٰ بہتر و وسیع و کشادہ مقام تک پہنچنا چاہتا ہے۔

پروفیسر ڈبلیو کے، کلفرڈ نے کہا تھا کہ "کسی چیز کو ناکافی شہادت کی بنا پر مان لینا ہر شخص کے لئے ہر وقت اور ہر جگہ غلط ہے"۔ کلفرڈ کے اس صداقت بھرے جملے کو ہر فلسفیانہ مزاج شخص بلا تامل ماننے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے۔ تاہم اس میں صرف اس قدر اضافہ کرنا ضروری ہے (ولیم جیمس نے اس کو اپنے مشہور و معروف مضمون 'ارادۂ ایمان' میں اچھی طرح پیش کیا ہے) کہ اگر کسی رائے کی موافقت میں شہادت معقول اور ظنّی ہو، لیکن کامل نہ کہلائی جا سکتی ہو۔ گو اس سے زیادہ قابل حصول بھی نہ ہو، اور اگر کوئی شخص یہ جانتا ہو کہ اس ظنّی صداقت کے قبول کرنے سے وہ ایک بہتر و برتر فرد بن سکتا ہے اور دوسروں کی بھی زیادہ خدمت کر سکتا ہے تو پھر کیا اس کا یہ فریضہ نہ ہوگا کہ اس پر یقین کر لے؟

فلسفہ کا مطالعہ دو دھاری تلوار ہے جس سے انسان کو فائدے بھی پہنچ سکتے ہیں اور نقصانات بھی لیکن یہ حال ہر علم کا ہے۔ فلسفہ ہی کی تخصیص نہیں[۱]۔ مثلاً سیاسیات، طب، ادب وغیرہ کے مطالعہ سے جو

---

[۱] اندلس کے ایک کہنہ سال پختہ کار فلسفی کی زبانی سنو۔ "نفع و ضرر کی متضاد استعداد سے دنیا کی کون چیز مستثنیٰ ہے؟ غذا کا تداخل اور اس کی کثرت معدہ میں بار پیدا کرتی ہے، پس کیا اس بنا پر تم یہ طبی قاعدہ مقرر کر سکتے ہو کہ تغذیہ طبعاً مضر ہے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم حاصل ہوتا ہے وہ بھی معاشرت کے نقصان وضرر کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح فلسفے کی تعلیم کی وجہ سے انسان صحیح چیز کو غلط، نیک کو بد بنا سکتا ہے اور صداقت کو محض اضافی چیز قرار دے سکتا ہے سوفسطائیوں نے یہی کیا اور خیر وحسن وصداقت کو محض اضافی اقدار قرار دیا۔ فلسفہ کا مطالعہ انسان کو پرانا شکی، کٹر ایجابی اور خود پرست کلبی بنا سکتا ہے جو اپنے غرور وتکبر، خود غرضی وانانیت کی بنا پر خود کو بینا اور دوسروں کو کور، خود کو سردار، دوسروں کو غلام قرار دیتے ہیں۔

دیوجانس کلبی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک روز اتھینیا میں پکارنے لگا کہ "لوگو! میری طرف آؤ" جب چند لوگ اس کی طرف بڑھے تو اس نے انھیں اپنے سونٹے سے مار بھگایا اور کہا کہ "میں نے تو آدمیوں کو بلایا تھا، تم تو بول وبراز ہو"!

فلسفہ کی تعلیم سے اس قسم کی ذہنیت کا پیدا ہونا ممکنات سے ہے۔ اس کے برخلاف اس امر کا بھی زیادہ احتمال ہے کہ جو شخص فلسفہ کا مطالعہ سچائی وثابت قدمی کے ساتھ کرتا ہے تو اس میں ایک قسم کی تنقیدی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے وہ خیر وشر، نیک وبد میں تمیز کر سکتا ہے اور مخالفین کی الارکے ساتھ تحمل ومسامحت سے پیش آ سکتا ہے۔ چونکہ فلسفی میں جاننے اور سمجھنے کی نہایت شدید خواہش پائی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ منطقی سرعتِ ذہنی واحتیاط بھی موجود ہوتی ہے لہذا وہ جن چیزوں کو قبول کرتا ہے ان کو بھی وہ مشروطی وموقتی قرار دیتا ہے اور ان کو نئے علم کی روشنی میں قابلِ تغیر سمجھتا ہے۔ اس کا ذہن ہمیشہ نئے نظریات کو قبول کرنے اور قدیم نظریات میں تغیر پیدا کرنے کے لئے کھلا رہتا ہے۔ فلسفی کی دعا یہ ہوتی ہے کہ "خدایا مجھے ایک کشادہ اور کھلا ذہن عطا فرما۔ بند ذہن نہیں جو نئے علم کی روشنی کی شعاع کو داخل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اصل یہ ہے کہ بے دینی فلسفہ کی تعلیم کا لازمی نتیجہ نہیں، کیا صرف فلاسفہ بے دین ہوتے ہیں، فقہا کبھی گمراہ نہیں ہوتے، حالانکہ تجربہ بتاتا ہے کہ فلسفہ سے زیادہ فقہ سے بے دینی کی اشاعت ہوتی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ فقہ کی بے دینی پر جبہ وعمامہ پردہ ڈالے رہتے ہیں۔ اس کی بداخلاقیاں ہمیشہ مذہبی رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس لئے عام لوگوں کی ان پر نظر نہیں پڑتی۔" (ابن رشد مصنفہ مولوی محمد یونس ص۱۶۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے نہ دے۔" اور یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ فلسفی کے اخلاقی اور ذہنی تیقنات نہیں ہوتے۔ وہ فراخ دلی و حزم واحتیاط کے ساتھ خاص خاص اخلاقی و ذہنی نتائج تک پہنچتا ہے اور ان پر یقین کرتا ہے۔

فلسفہ کی ان مختلف مشکلات کا خیال رکھتے ہوئے جن کا نہایت اجمال کے ساتھ ہم نے اوپر ذکر کیا ہم عاشق کی زبان میں عشق کی بجائے فلسفہ کو مخاطب کرکے کہہ سکتے ہیں ؎

اے عشق! بہ دردِ تو سرے می باید　　صیدِ تو ز من قوی ترے می باید
من مرغ بیک شعلہ کبابم بگذار　　کایں آتش را سمندرے می باید
(ابو سعید مہنہ)

سیرت رسول صلعم

پر مصر کے ایک بڑے اہل قلم نے یہ کتاب ڈرامے کی صورت میں لکھی ہے۔ ملیح آبادی ایڈیٹر ہند نے بہت ہی آسان اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ کتاب بیحد دلچسپ و مفید ہے، خاص طور پر بچوں اور عورتوں کے لئے تو اس سے بہتر کتاب ہونا مشکل ہے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ سرورق بہت شاندار ضخامت ۲۵۲ صفحہ۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ایک روپیہ بارہ آنے (۱؍۱۲؍)

ترجمہ
ملیح آبادی

پتہ:۔ دفتر روزانہ ہند۔
نمبر ۱۷ ساگر دت لین۔ کلکتہ

© rasailojaraid.com